

حضرت مولانا محمد ابراہیم فانی کی المناک جدائی

ایک مشفق استاد، محسن مربی، مہربان دوست، منفرد تالیق، ہماری بزم الحق کے سب سے روشن چراغ، گلشن حقانیہ کی شمع فروزاں، دیرینہ ساتھی، ہم مزاج، ہم مذاق، ہم راز، ہمدرد، زندہ دل، خوش ذوق، خوش خلق، خوش مزاج، سخن فہم، سخن سنج، مروت خلیق، مروت قلندر، مجسمہ علم و دانش، حکیم فرزانه، شاعر دانہ، علم و ادب کے ہمالیہ، عشق و محبت کے بحر بیکراں، صبر و قناعت کی منفرد مثال، مادیت کے دور میں زندہ رہتے ہوئے تصور فنا و فنایت کی زندہ جاوید مثال اور سب سے بڑھ کر ایثار و خلوص کی تصویر جیسی تمام صفات و مناقب کی متصف شخصیت کا اچانک مچھڑ جانا اور ہمیشہ کیلئے جدا ہو جانے کے غم کی شدت کا بیان میرے جیسے حساس شکستہ دل انسان کے قلم سے یقیناً باہر ہے۔ حضرت فانی صاحب کو ہم سے جدا ہوئے تقریباً دو ماہ ہونے کو ہیں لیکن ابھی تک معذور قلم، ماؤف دماغ اور منتشر حواس اس تلخ حقیقت کو تسلیم نہیں کر رہے اور خود کو دشت غم، کربلائے درد اور صحرائے وحشت میں حزیں و حیراں پارہا ہوں تب ہی تو ان پر کچھ تعزیتی کلمات لکھنا کوہ گراں لگ رہا ہے۔

تھی وہ اک شخص کے تصور سے وہ اب رعنائی خیال کہاں

استاد محترم حضرت فانی صاحب کا سانحہ ارتحال دراصل یہ راقم کا اپنا ذاتی صدمہ ہے اور جو خود سراپا درد و الم کا پیکر ہو وہ تصویر درد اور تعزیتی شذرہ میں کیا رنگ بھرے گا۔ ع ہو ہو کھینچے گا 'اب تو درد' کی تصویر کون؟

یوں تو زندگی میں پے در پے حوادثِ زمانے کا جام تلخ ہر گام پینا پڑا ہے اور قدم قدم پر دشتِ زیست کے کانٹوں سے پاؤں زخمی اور دامنِ صبر چھلنی ہوتا رہا ہے۔ زیست کے ستم ہائے بے حساب اور سانحات بے کراں سے اپنا رشتہ بڑا گہرا چلا آ رہا ہے لیکن ۲۰۰۴ء میں جب اپنے مٹھی بھرنا تو اں وجود کو حضرت والدہ ماجدہ کی وفات کے حادثہ نے ریزہ ریزہ کر کے کمزور کر دیا تھا اور عرصہ دراز تک فکر و خیال کے درد دیوار پر غم و اندوہ کے تالے پڑے رہے اور ذہن و قلب پر اس حادثے کا ایک خاص اثر ایک دہائی کے بعد بھی قائم ہے۔ پھر اس کے بعد درجنوں افسوسناک واقعات اور غم و اندوہ کی آندھیوں سے مسلسل سامنا کرنا پڑا ہے لیکن حضرت فانی صاحب کی یکا یک جدائی سے اب یوں لگتا ہے کہ اپنے لٹے پٹے شکستہ وجود کے گھر وندے کو یہ نئی آنکھیں مکمل طور پر ہواؤں میں بکھیر گئی ہے تبھی تو نگاہِ آلودہ اظہارِ افسوس کو کھانچے کھینچے آندھیں ہو رہا۔ اور پھر زخمی دل اور

مجرع قلم سے کہاں نوے پھوٹے ہیں؟

قلم بشکن ، سیاہی ریز ، کاغذ سوز ، دم درکش
حمید ایں قصہء عشق ست در دفتر نمی گنجد

حضرت فانی صاحب کی یاد میں ”الحق“ کی خصوصی اشاعت پریس میں جانے کیلئے تیار ہے لیکن اُلٹتے ہوئے خون کے آنسوؤں کی شدت کے باعث ایک ایک حرف لکھنا میرے لئے جوئے شیر لانے کے مترادف ہو رہا ہے۔ دو ماہ میں کئی بار لکھنے کی ناکام کوشش کی لیکن ہر بار اپنے ہی آنسوؤں اور جذبات کا سمندر مجھے بہا کر کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے۔ حضرت فانی صاحب جیسی باغ و بہار شخصیت بلکہ یوں کہیے کہ سراپا زندہ دلی و زندگی کی علامت کو کیسے موت کی اندھی وادیوں کا مسافر قرار دوں؟۔ یہ میری بد قسمتی ہے یا حساسیت اور جنوں کی انتہا کہ اپنے اُس استاد اور مشفق ہستی پر چند صفحات بھی سلیقے کے نہ لکھ سکا، جس شخصیت نے مجھ جیسے ادنیٰ طالب علم کو قلم کی حلاوت سے روشناس کرایا تھا۔ جن کی فیضانِ نظر نے مجھ سے طفلِ مکتب کو شعر و ادب اور علم و صحافت کے آداب سکھائے تھے۔ میرے جیسے ناکارہ درجہ سادہ کے طالب علم و صاحبزادہ کیلئے ماہنامہ ”الحق“ جیسے بڑے علمی ادبی مجلے کی ادارت سترہ برس قبل سنبھالنا ناممکن تھا لیکن حضرت فانی صاحب ہمیشہ ہمت ، داد، مفید مشوروں سے مجھ پر شفقت فرماتے رہے بلکہ یوں کہیے کہ زندگی کے کئی نشیب و فراز میں بھی مجھے اس طرح سہارا دیتے رہے جیسے بڑے چھوٹے بچوں کو گرنے اور ٹھوکر کھانے سے بچاتے رہتے ہیں۔ یوں فانی صاحب ایک بہترین اور مشفق استاد ہونے کے ساتھ ساتھ میرے بے تکلف دوست اور بھائی بھی تھے۔ ایسے رفیق سفر کی المناک جدائی نے یادوں کے حسیں گلشن کو اجاڑ دیا ہے۔ گو کہ آپ کی یادوں، باتوں اور علمی نکات کی بارش اور آبشار مسلسل دل و دماغ اور آنکھ کے پردے پر برس رہی ہے لیکن ان کو صفحہ قرطاس پر لانا ناممکن ہو رہا ہے۔ بہر حال حضرت فانی صاحب دارالعلوم حقانیہ اور ادارہ ”الحق“ کا ایک بہت بڑا نادر اثاثہ تھا۔ عرصہ دراز سے شوگر کے مرض میں مبتلا تھے، لیکن معمولات زندگی رواں دواں تھی، درس و تدریس، نمازوں کیلئے آمد و رفت اور علمی، ادبی اور شعری محفلوں کو سجانے والی تمام مصروفیات جاری و ساری تھیں، کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ یوں اچانک بادِ فنا فانی صاحب کو دارِ بقا کی جانب ہم سے چھین کر یکا یک لے جائی گی۔ میں ربیع الاول میں حرمین شریفین کے سفر پر تھا جب افسوسناک اطلاع ملی کہ حضرت فانی صاحب پشاور کے ہسپتال میں داخل کرادیئے گئے ہیں۔ اطلاع مل کر بے چینی بڑھ گئی اور جلد سے جلد پہنچنے کی سعی شروع کی۔ جب ہسپتال پہنچا تو فانی صاحب نے غنودگی اور آہ و زاری میں میرا استقبال کیا اور فرمایا کہ اتنے دن سے تمہارا انتظار کر رہا تھا؟ کہاں رہ گئے تھے؟ اور مسلسل روتے ہوئے دندناک وصیتی کلمات فرماتے رہے کہ یہ وصیت میں نے تمہارے

لئے سینے میں محفوظ رکھی تھی۔ خود بھی حساس دل شاعر زار و قطار روتے رہے اور مجھے بھی رُلاتے رہے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ حضرت فانی صاحب جیسے شائستہ و خوبصورت اور ہنسے ہنسانے والا ہمدرد ہنس مکھ انسان بیماری کے باعث زندگی کے کس کٹھن و اذیت ناک دور سے گزر رہا ہے، ہر چند میں نے کوشش کی کہ موضوع کا رُخ موڑ لوں لیکن فانی صاحب اس اہم اور سنجیدہ موضوع سے ہٹنے کا نام نہیں لے رہے تھے، پھر بعد میں بھی بار بار عیادت کے سلسلے میں حاضر ہوتا رہا۔ لیکن ماشاء اللہ بستر مرگ پر پڑے رہنے کے باوجود علمی نکات، شعروادب، تصنیف و تالیف کا جذب حیرت انگیز طور پر مزید ابھر گیا تھا۔ حضرت والد صاحب مدظلہ اور راقم نے ڈاکٹروں سے طویل مشاورت کی کہ آپریشن یا دوسرے متبادل ذرائع علاج کیلئے اختیار کئے جائیں لیکن ڈاکٹروں نے ہمیں تقریباً مایوس کر کے کہا کہ حضرت فانی صاحب کی حالت انتہائی خطرے سے دوچار ہو گئی ہے اور اب اس صورتحال میں مزید کچھ بھی نہیں کیا جاسکتا صرف فانی صاحب کے لئے دعاؤں کی ضرورت ہے۔ حضرت انسان بھی کتنا کمزور ہے کہ اسباب، وسائل کی موجودگی اور ہر طرح کی سہولیات کے باوجود قدرت کے نظام کے سامنے بلا خر مجبور محض بن جاتا ہے اور کچھ بھی نہیں کر سکتا، یہی حال ہمارا تھا۔ دراصل اگر ساٹھ برس کی عمر میں دونوں گردے مکمل ناکارہ ہو جائیں تو پھر آپریشن وغیرہ ناممکن ہو جاتا ہے۔ بہر حال اپنے محبوب استاد محترم ہماری آنکھوں کے سامنے روز بروز برف کی سل کی طرح پگھل رہے تھے لیکن ہمارے ہاتھ بندھے ہوئے تھے، آخری روز بھی بروز ۲۶ فروری ۲۰۱۴ء کو میں ان کے ساتھ ہسپتال میں موجود تھا، ان کا آخری ڈائلاز ہو رہا تھا میں نے سلام کیا، آپ نے نہایت ہی کرب میں گفتگو کی کوشش کی لیکن نفاہت و تکلیف کے باعث کچھ سمجھ نہیں آئی۔ لیکن کچھ دیر بعد ایاک نعبدو و ایاک نستعین و دیگر قرآنی آیات کی تلاوت ہم سب نے غور سے سنیں۔ اسی طرح کلمہ طیبہ بھی بار بار پڑھتے رہے۔ آپ کو شام کے وقت آئی سی یو منتقل کیا گیا، اسی غنودگی میں آدھی رات آپ کی طبیعت مزید بگڑ گئی اور یوں ایک بیمار محبت کی منزل مقصود بلا خر آ ہی گئی اور عمر بھر کے سوز و سازِ رومی اور پیچ و تابِ رازی کے امین اور عاشق رسول ﷺ کی بیقراری کو قرار آ ہی گیا۔

جان ہی دے دی آج کوئے یار پر عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

علی الصباح چار بجے برادر م مولانا اسرار نے گھر کی گھنٹی بجائی اور پیغام بھیجا کہ آپ کے دوست حضرت فانی صاحب اس جہان فانی سے دارالبقاء کی جانب کوچ کر گئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون روایات میں آتا ہے کہ اکثر حوادث، مصیبتیں اور قیامتیں رات کے آخری پہر میں نازل ہوتی ہیں، یقیناً اس سے بڑھ کر میرے لئے اور کیا حادثہ اور کیا قیامت صغریٰ اپنا ہوگی؟ صبح نماز کے بعد برادر م مولانا یوسف شاہ صاحب نے ہزاروں طلباء کو یہ افسوسناک اطلاع دی کہ آپ سب کے محبوب ہرولعزیز استاد محترم

جناب محمد ابراہیم فانی صاحب انتقال فرما گئے ہیں۔ خبر سن کر دارالعلوم کی وسیع و عریض مسجد میں ہزاروں طلباء کی آہوں اور سسکیوں سے ساری فضا نمناک ہو گئی۔ گیارہ بجے دارالعلوم میں ہزاروں علماء، طلباء، فضلاء، سیاسی زعماء کا ایک جم غفیر جمع ہو گیا تھا۔ پرانے دارالحدیث میں آپ کی لاش مبارک زیارت کے لئے رکھی ہوئی تھی۔ اور ہر کوئی اپنے محبوب استاد کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے دیوانہ وار آ رہا تھا۔ نماز جنازہ حضرت والد مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ کے سفر عمرہ کی بناء پر نائب مہتمم شیخ الحدیث حضرت مولانا انوار الحق صاحب مدظلہ نے پڑھایا۔ جنازہ کے بعد ایبولینس میں آپ کی میت رکھی گئی۔ اور یوں اُس دارالعلوم سے آپ کی جدائی کا سفر شروع ہو گیا جس درودیوار میں آپ نے تقریباً پینتالیس برس زندگی کے بتائے۔ گوکہ آپ کا تعلق زرubi ضلع صوابی سے تھا لیکن اکوڑہ خٹک اور خصوصاً دارالعلوم حقانیہ سے آپ کو اس قدر عشق و محبت تھی کہ سالانہ چھٹیوں میں بھی کچھ دن گزار کر فوراً واپس اکوڑہ چلے آتے۔ بہر حال ایبولینس کے ساتھ ہزاروں طلباء اور آپ کے عشاق آخر تک دوڑتے رہے، اور انہیں خدا حافظ کہتے رہے۔

دو نوں جہاں تیری محبت میں ہار کے وہ جا رہا ہے کوئی شب غم گزار کے

اور ع آں قدح بشت و آں ساقی نہ ماند شام ۴ بجے آپ کے گاؤں زرubi میں دوسرا جنازہ تیار تھا۔ اس میں بھی علاقہ بھر کے ہزاروں افراد اور علماء و مشائخ نے شرکت کی۔ آپ کے دیرینہ رفیق خاص مولانا فضل علی حقانی (سابق وزیر تعلیم کے پی کے) نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ برادر مولانا حامد الحق حقانی صاحب، مولانا یوسف شاہ صاحب، مولانا ذاکر حسن نعمانی صاحب و دیگر علماء مشائخ نے اس موقع پر تعزیتی تقاریر کیں اور یوں شام کے وقت علم و فضل اور شعر و ادب کے آفتاب کو آہ و سسکیوں اور کلمہ طیبہ و درود شریف کے زمزموں، قرآنی آیات کی تلاوت کیساتھ دفن کر دیا گیا۔

الغرض شاندار خدمات اور کامیابیوں کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ اب ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔ لیکن ہمیں خداوند رحمن و رحیم سے قوی امید ہے کہ ان شاء اللہ برزخی زندگی میں بھی اس عاشق رسول اور علم و فضل اور اسلام کے محب صادق کی نہ ختم ہونے والی ابدی کامیابیوں اور کامرانیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہوگا اور اس اُجڑی اور فانی دنیا کا یہ بلبل ہزار داستان وہاں کے بہشتی گلستانوں میں سرورِ کائنات کی مدح سرائی اور نعت گوئی میں مصروف ہوگا۔ اے شاعر اسلام! اور خلدِ بریں کے مسافر، مردم خیز سرزمین اکوڑہ و زرubi تجھے سلام کہتی ہے۔ خوشحال خان خٹک کی وادی اکوڑہ اور جامعہ حقانیہ کی تاریخ ہمیشہ تجھ پر ناز کرے گی۔

جان کر منجملہ خاصانِ میخانہ مجھے مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

اب کلاش محروم تجھے ڈھونڈ رہی ہے اک تو ہی تو سرمایہ خونیں جگر اس تھا

گل ہوئی شمعِ شبستان چاند تارے سو گئے موت کے پہلو میں شام غم کے مارے سو گئے

جن کے دم سے بزمِ ساغر تھی حریفِ کہکشاں اے شبِ بھراں کہاں وہ ماہِ پارے سو گئے